بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

خرم مراد

زندگی کے صحیح اسلامی زندگی ہونے کے لیے سب سے مقدم چیز اسلام کے نصب العین (اقامتِ دینِ حق) سے وابستگی ہے۔ اس وابستگی کا تقاضا ہے کہ آدمی نصب العین کے لیے جدوجہد کرے اور جدوجہد اجتماعی طاقت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا جماعت کے بغیر کسی زندگی کو صحیح اسلامی زندگی سمجھنا بالکل غلط ہے' (رسائل و مسائل' اوّل' ص ۳۰۸)

اقامتِ دین فرضِ عین ہے' اور اس کے لیے اجتماعی جدوجہد ناگزیر ــــ سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اس دور میں دعوت الی اللہ کی جو صدا بلند کی' اس میں یہی وہ دو بنیادی چیزیں تھیں جن کے اوپر ایمان و یقین کا جذبہ' جن کا خواب' جن کے لیے شوقِ جستجو' جماعتِ اسلامی کے قالب میں ڈھل گیا۔ جماعت کو جو کچھ بقا و استحکام اور توسیع و تقویت نصف صدی پر محیط عرصہ میں نصیب ہوئی' وہ انہی دو چیزوں کی وجہ سے نصیب ہوئی' اور اگر کچھ ضعف اور شکست و ریخت اس کے حصہ میں آئی وہ بھی بالعموم انہی کی وجہ سے۔ اگر کوئی جماعت سے چمٹا رہا تو وہ بھی انہی کی محبت میں چمٹا رہا' اور اگر کوئی کٹا اور اس نے فصل کی راہ پکڑی یا تخریب و عداوت پر کمر باندھی تو وہ بھی بالعموم انہی کی وجہ سے' کہ کسی کو اس جماعت میں اپنا خواب بکھرتا نظر آیا' کسی کو وہ کسی اور ہی پٹڑی اور راہ پر' یا کسی اور ہی منزل کی جستجو میں سرگرداں دکھائی دی۔

دو انسان کبھی بھی بالکل ایک جیسے نہیں ہوتے۔ جبلّت اور مزاج مختلف' افتادِ طبع مختلف' صلاحیت و استعداد مختلف' انداز و اطوار مختلف' تعلیم و تربیت مختلف' ماحول و ماضی مختلف' سوچ سمجھ اور رائے مختلف' مقاصد اور آرزوئیں مختلف' تجزیہ و تاویل مختلف' بیان و کلام مختلف' اندرو باہر کی دنیا مختلف' شکل اور رنگ مختلف' یہاں تک کہ انگلیوں کی لکیریں بھی مختلف۔ اس طرح سے مختلف دو انسانوں کو ایک شیرازہ میں منسلک کرنا' منسلک رکھنا' ایک راہ پر اور ایک

منزل کی طرف گامزن رکھنا' ان کی استعداد و صلاحیت کو بروئے کار لانا' ان کی کمزوریوں اور غلطیوں کا ازالہ کرنا' ان کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑنا' اور سارے اختلافات اور ناگواریوں اور افتراق کے بھرپور مواقع کے باوجود جوڑے رکھنا ——— یہ کوئی آسان کام نہیں' بلکہ شاید دنیا کے مشکل ترین کاموں میں سے ایک کام ہے' کوہ کنی کر کے جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ جڑنا اور جڑے رہنا' پہاڑ اٹھانے سے زیادہ گراں ہے' بکھر جانا پلک جھپکنے کا کام۔ اس کے باوجود اگر اتنے مختلف النوع انسان مجتمع ہو جاتے ہیں' تنظیم کے شیرازہ میں منسلک ہو جاتے ہیں' اجتماع و تنظیم کے بل پر اتنے بڑے بڑے اور محیر العقول کارنامے سرانجام دے لیتے ہیں' تو یہ یقیناً آیات و معجزاتِ الٰہی میں سے ایک آیت اور ایک معجزہ ہے۔ اگر ایسا ہونا ممکن نہ ہوتا تو انسانی زندگی کی گاڑی ایک لحہ بھی نہ چل سکتی' بلکہ اگر دو بالکل مختلف انسان یک جان ہو کر ایک گھر بنانے کا کام نہ کر پاتے' تو انسانی زندگی کی بقا ہی ناممکن تھی۔

انسانوں میں خدا کے پیدا کردہ اختلاف ہی کی وجہ سے یہ امکانات پیدا ہوئے کہ ایک اور ایک مل کر گیارہ بن جائیں' ایک اور ایک مل کر صرف دو بن جانے ہی پر قناعت کر جائیں' یا ایک اور ایک مل کر صفر یا صفر سے بھی ماورا کوئی منفی عدد ہو کر رہ جائیں' اگر وہ ایک دوسرے کی نفی کرنا اور ٹانگ کھینچنا شروع کر دیں۔ یہ مختلف امکانات ہر زمانہ میں' ہر وقت' ہر سطح پر' ہر نوعیت اور ہر پیمانہ کی اجتماعیت میں ظہور پذیر ہوتے دیکھے جاسکتے ہیں۔ خاندانوں میں' قوموں میں' بڑی بڑی جماعتوں میں' تاریخ کے مختلف ادوار میں' اسلام کے صدرِ اوّل میں' خود جماعتِ اسلامی کے مختلف ادوار میں بھی ان کا مشاہدہ بآسانی کیا جا سکتا ہے۔

جماعتی زندگی محض ایک دینی فریضہ ہی نہیں' بلکہ ایک منظم جماعت کے بغیر اقامتِ دینِ حق کا وہ عظیم الشان مقصد حاصل ہی نہیں ہو سکتا جو دراصل ایک نئے انسان' ایک نئی دنیا اور ایک نئی تہذیب کی تشکیل اور امامتِ عالم کا منصب سنبھالنے کا متقاضی ہے۔ کوئی تنہا فرد' یا افراد کا ایک ہجوم' وہ بڑے اجتماعی کام نہیں کر سکتا جو افراد کی ایک تنظیم کر سکتی ہے' یہ کام بچہ کی پرورش کرنا ہو' ایک ریاست کو چلانا ہو' ایک جنگ جیتنا ہو' چاند پر پہنچنا ہو' یا ایک تہذیبی انقلاب برپا کرنا ہو۔ لاکھوں اینٹوں کا ڈھیر جمع کر دیجیے' وہ کوئی بوجھ نہیں اٹھا سکتیں' ان سے کسی مکان کی تشکیل اور تصویر گری نہیں ہو سکتی۔ چند اینٹوں کو سیمنٹ سے جوڑ کر بنیانِ مرصوص بنا دیجیے' وہ بڑے بھاری بوجھ بھی اٹھا سکتی ہیں' عالیشان عمارتوں کی شکل بھی اختیار کر سکتی ہیں۔ اسی لیے اسلام میں جماعت ایک عظیم شان و مقام کی حامل ہوئی' اسی لیے نماز جیسی روحانی عبادت'

جو بندہ اور رب کے درمیان ملاقات و مناجات کا نام ہے' جماعت کے ساتھ فرض ہوئی' اسی لیے صدقہ و خیرات جیسے محبتِ الٰہی کے اظہار کو اجتماعی تحصیل و تقسیم کی شکل دی گئی' اسی لیے اطاعتِ الٰہی میں بھوکے پیاسے رہنے اور راتوں کو جاگنے کے لیے سب کو مجتمع کر دیا گیا' اسی لیے حج جیسی عشق و سرمستی سے لبریز عبادت کا نقطۂ کمال صرف ایک میدان میں اجتماعِ عام قرار پایا' اسی لیے کہا گیا کہ اسلام بغیر جماعت کے نہیں۔

پھر کیوں کہ اقامتِ دینِ حق کے نصب العین کے حصول کا انحصار جماعت پر ٹھہرا' اس لیے ضروری ہوا کہ جماعت' اور اس سے وابستہ افراد' زیادہ سے زیادہ ان خوبیوں کے حامل ہوں جن سے جماعت مستحکم اور قوی اور اپنے مقصد کے حصول کی استعداد کی حامل ہو' اور ان خرابیوں' خامیوں اور فتنوں سے محفوظ رہیں جن سے جماعت کمزور ہو' اور وہ اپنے مقصد کے حصول کی استعداد کھوتی چلی جائے۔ چنانچہ اس بات پر کوئی تعجب نہ ہونا چاہیے کہ قرآن مجید نے نماز کے اوقات تو بالتصریح بیان نہیں کیے' رکعات کی تعداد اور دیگر شرائط' ارکان اور فرائض کا بھی تقریباً ذکر ہی نہیں کیا۔ ہاں' سب کے لیے' ہر جگہ' ہر حالت میں' مسجدِ حرام کے قبلہ کی طرف رخ کرنے کا تکرار کے ساتھ حکم دیا کہ ساری امت کا رخ ایک ہو' مقصود ایک ہو' اس میں ہم آہنگی اور ہم رنگی ہو۔ جمعہ کی نماز کے لیے' ہر کام چھوڑ کر' دوڑ پڑنے اور لپک کر آنے کی منادی خود قرآن نے کی۔ زکوٰۃ کا نصاب متعین نہ کیا' نہ حج کے مناسک تصریح کے ساتھ بیان کیے۔ ہاں' میراث کے حصص تفصیل کے ساتھ متعین کیے' نکاح و طلاق کے مسائل کی پوری تصریح کی' گھروں میں آنے جانے اور مجلسوں میں اٹھنے بیٹھنے کے آداب و ضوابط تک خود مقرر فرمائے' میر مجلس' سے کلام کرنے کے بارے میں ہدایات دیں۔ اسی طرح باہمی تعلقات کے ضمن میں' اخوت' بات چیت تک میں عدل اور شیریں کلامی' معاملات میں مکمل عدل' پاسِ عہد' امانت داری' نرمی و رافت' عفو و درگزر' نظم و ضبط' حلم اور اعراض عن الجاہلین وغیرہ کا حکم فرمایا' اور تمسخر' ہمز' لمز' تنابز بالالقاب' سوئے ظن' تجسس' غیبت' تفاخر' تنازع وغیرہ کو حرام کیا۔ یہی وہ چیزیں ہیں جن کے التزام سے ایک اسلامی جماعت افتراق و انتشار اور جدال و تنازع سے محفوظ ہو سکتی ہے' اور اس کو استحکام و قوت حاصل ہو سکتی ہے۔ اسی طرح ایک اور ایک مل کر صفر بننے سے بچ سکتے ہیں' اور گیارہ بلکہ ایک سو گیارہ بن سکتے ہیں' اور ایک' دس پر بھاری ہو سکتا ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعتی زندگی کے بارے میں جو تفصیلی ہدایات دی ہیں' ان میں سے اہم ہدایات کا خلاصہ تین نکات پر مشتمل ہے' اور

انہی پر جماعت کی قوت اور زندگی کا انحصار ہے:

۱۔ مقصد کے لیے مکمل یکسوئی' اور اس کے ساتھ ایسی وابستگی اور محبت جو ہر وابستگی اور محبت پر حاوی ہو۔ ایمان' محبت' حنیفیت' اخلاص' وغیرہ اسی نکتہ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

۲۔ مکمل اتحاد' اورافتراق و تنازع سے اجتناب' اور اس مقصد کے لیے باہمی اخوت و محبت کا التزام اور فساد کرنے والے اعمال سے اجتناب۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا" (آل عمران ۳ : ۱۰۳) وَلَا تَنَازَعُوْا (الانفال ۸ : ۴۶) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (الحجرات ۴۹ : ۱۰) لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ (ایضاً" : ۱۱) لَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ (ایضاً") اِجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا" مِّنَ الظَّنِّ (ایضاً" : ۱۲) وَلَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا" (ایضاً") وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ (آل عمران ۳ : ۱۳۴) وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا (الانعام ۶ : ۱۵۲) قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (البقرہ ۲ : ۸۳) یَقُوْلُوا الَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ (الاسراء ۱۷ : ۵۳) وغیرہ کے قبیل کی ہدایات اسی ضمن میں ہیں۔

۳۔ سمع و اطاعت اور مشاورت۔

جماعتِ اسلامی اور سیّد مودودیؒ نے روزِ اوّل ہی سے اس بات کی کوشش کی ہے کہ جماعت اور وابستگانِ جماعت میں' بحیثیت جماعت بھی اور بحیثیت فرد بھی' جماعتی زندگی کے بارے میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی ہدایات' تعلیمات' اور احکام کا' تعلیم و تذکیر اور احتساب و تادیب کے ذریعے' زیادہ سے زیادہ التزام کیا جائے۔ نصف صدی کی مدت میں جماعت نے بحیثیت جماعت جو قوت بھی حاصل کی ہے اور وہ جو خدمت بھی انجام دینے کے قابل ہوئی ہے' وہ سب سے بڑھ کر انہی ہدایاتِ الٰہی کے التزام کی وجہ سے ہے اور جب بھی وہ کبھی کبھی ژولیدگیِ فکر' جمود' ضعف' انتشار' باہمی نزاع و جدال' خلفشار اور اندرونی شکست و ریخت جیسے امراض کا شکار ہوئی ہے' تو انہی ہدایات کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دینے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ بحیثیت مجموعی جماعت میں خیر کا غلبہ رہا ہے اور وہ صحیح راہ پر چلتی رہی ہے۔ اس سے دین کی جو کچھ خدمت بن پڑی ہے وہ اسی خیر کے باعث ہے۔ اس خیر کا بقا اور اس میں اضافہ جماعت کے ہر بہی خواہ کا فرض اوّلین ہے۔

ہم جیسے انسان' جو فطرتاً" خطاونسیان اورضعفِ ارادہ کا شکار ہیں' ہر وقت اور ہر حال ہی میں اس بات کے محتاج ہیں' لیکن آج کے حالات میں جماعت جیسے خیر کی بقا و استحکام کے لیے یہ

احتیاج کچھ زیادہ ہی ہو گئی ہے، کہ جماعتی زندگی کے بارے میں ہدایاتِ الٰہی کو برابر یاد رکھا جائے، ان کی تذکیر کی جاتی رہے، اور جماعتی زندگی میں وَذَکِّرْ (اور تذکیر کرتے رہو) پر پورے اہتمام سے کاربند رہا جائے، اس لیے کہ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ (ایمان لانے والوں کو تذکیر ہی سے نفع ہوتا ہے)۔ کل کے فتنے ہوں یا آج کے، اسی طرح ان سے زیادہ سے زیادہ مامون و محفوظ رہا جا سکتا ہے۔

آج یہ امر شدّت سے محسوس کیا جا رہا ہے کہ اقامتِ دین کے مقصد کے لیے انسانوں کو جوڑ کر رکھنے، اور ایک منظم قوت بنانے کی انتہائی کٹھن اور صبر آزما چوٹی سر کرنے کی اس کامیاب کوشش ـــــ جماعتِ اسلامی ـــــ میں اختلاف اپنی جائز حدود سے تجاوز کر چکا ہے، اور اس اختلاف کے افتراق و انتشار میں تبدیل ہونے کے آثار پیدا ہو رہے ہیں۔ جماعت کے اندر اضطراب اور خلفشار بھی ہے، اور وہ باہر سے بھی اغیار کی یلغار کی زد میں ہے۔ دلوں میں بے اطمینانی بھی ہے، اور وہ سب بلا سبب اور بے بنیاد نہیں ہے۔ اسکے اندرونی معاملات اخباری شہ سرخیوں اور کالموں کا موضوع بنے ہوئے ہیں، جو مزید اضطراب کا باعث ہے۔

اتفاق سے اس زمانہ میں ارکانِ جماعت آئندہ پانچ سالوں کے لیے اپنے امیر کا انتخاب بھی کر رہے ہیں۔ یہ ایک معمول کی کارروائی ہے، اور کوئی وجہ نہیں کہ ارکان حسبِ معمول اپنی رائے اپنی صوابدید کے مطابق استعمال نہ کریں۔ وہ اپنے رائے کے مختار ہیں، چاہیں تو موجودہ امیر کو دوبارہ یہ ذمہ داری سپرد کر دیں، یا ان کی رائے میں کوئی دوسرا محترم رکن امارت کے لیے زیادہ اہل قرار پائے، یا وہ کسی نکٹے حبشی کو منتخب کر لیں۔ ہمیں یقین ہے کہ جماعت جس کو بھی منتخب کرے گی، موجودہ امیر کی طرح ہی اس کی اطاعت کرے گی اور اس کو سر آنکھوں پر بٹھائے گی، لیکن بد قسمتی سے اندر اور باہر کے چند "دوستوں" نے اس انتخاب کا رشتہ بھی کلیتاً حالیہ اختلاف اور عدم اطمینان کے ساتھ جوڑ دیا ہے، اور پھر اس حوالہ سے ایسی چیزیں سامنے لا رہے ہیں، جن کو سمجھنا مشکل ہو رہا ہے۔ باہر کے لوگ اگر اس انتخاب میں دلچسپی لے رہے ہیں، اس پر رائے زنی کر رہے ہیں، یا اس میں دخل دے رہے ہیں، تو صحیح بات یہ ہے کہ اس پر چیں بجبیں ہونے کا کوئی جواز نہیں۔ کیا جماعت اور اس کا امیر آخر کار پوری قوم کی امامت کے لیے کوشاں نہیں ہیں؟ بظاہر "اپنے" اگر اغیار کی طرح وسوسہ کاریوں میں مشغول ہیں، تو اس پر جذبات کا کھولاؤ فطری ہے، لیکن صبر کے علاوہ کوئی راستہ نہیں۔ ہاں، اندر والوں کے حدود سے

تجاوز پر اضطراب بجا ہے۔

اس صورتِ حال میں ہر درد مند کے دل کو چند پریشان کن سوالات بے کل کر رہے ہیں۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟ کیوں ہو رہا ہے؟ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ ہر طرف ہر طرح کی چہ مگوئیاں ہیں' طرح طرح کی رائے زنی کی جا رہی ہے۔ بعض لوگ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا' جو اب ہو رہا ہے۔ پہلے داخلی امور کے بارے میں یہ تصوّر بھی نہ کیا جا سکتا تھا کہ ان پر باہر کے حلقوں میں بحث و تمحیص ہو گی' یا ان کو اخباری کالموں میں موضوع بحث بنایا جائے گا۔ ایسا بھی پہلے کبھی نہیں ہوا کہ امیرِ جماعت کی ذات مابہ النزاع ہو گئی ہو' اس کو امارت کے لیے غیر موزوں قرار دیا گیا ہو' اس پر آمریت' اور دستور کی یا شوریٰ کے فیصلوں کی خلاف ورزی کے الزامات عائد کیے گئے ہوں' اس کی پالیسیوں اور اقدامات کو جماعت کا رخ بدل دینے اور اس کو پٹڑی سے اتار دینے کا موجب قرار دیا گیا ہو۔ کہا جاتا ہے کہ پہلے کارکنانِ جماعت کی سوچ میں یکسانی اور یک رنگی تھی' وہ کسی درجہ میں بھی ذہنی انتشار اور فکری ژولیدگی کا شکار نہیں ہوتے تھے۔ یہ ایک ایسی خیالی' کاغذی تصویر ہے جس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں' اور انسانوں کی کسی جماعت میں' وہ کتنے ہی پاکیزہ نفوس پر مشتمل ہو' اس خیالی تصویر کا حقیقت ہونا بعید از امکان اور خلافِ فطرت ہے۔ ان سوالات و احساسات کے ضمن میں اگر چند بنیادی امور پیش نظر رکھے جائیں' تو درد تو شاید کم نہ ہو' الجھن کم ہو سکتی ہے۔

انسانوں کے مختلف ہونے' اور ان کو جوڑ کر رکھنے کی مشکلات کی جو حقیقت اوپر بیان کی جا چکی ہے' یہ آشکار کرنے کے لیے کافی ہے کہ کسی بھی معاشرہ' گروہ' یا جماعت میں کسی بھی نوع کے اختلافات کا پیدا ہونا ایک فطری امر ہے۔ صدرِ اوّل کے پاکیزہ ترین نفوس بھی اختلافات سے مبرا نہ تھے --- عہدِ رسالتؐ ہو' یا دورِ خلافت راشدہ' اجتہاد و استنباط کا معاملہ ہو یا تدبیر کا' سیاسی مسائل ہوں یا فقہی و کلامی' خیالات و نظریات عنوان ہوں یا ذوات و شخصیات۔ اوس و خزرج کی چشمک' سقیفہ بنی ساعدہ' باغِ فدک' خلافت و شہادت سیدنا عثمانؓ' اور سیدنا علیؓ' جنگِ جمل و صفین' واقعۂ کربلا اور واقعۂ حرہ --- یہ سب اسی حقیقت کے عکاس ہیں۔ اس کے بعد اصحاب رائے اور اہلِ حدیث' ابو حنیفہؒ اور بخاریؒ' غزالیؒ اور ابن تیمیہؒ کے درمیان اختلاف جیسے اختلاف بھی ہوئے جو آج تک مدرسوں کی زینت ہیں۔

جماعت اسلامی میں بھی تشکیل کو ایک ہی سال ہوا تھا کہ چند ایسے اختلافات "ابتدائی مرحلہ ہی میں... نظامِ جماعت کے اندر رونما ہو گئے تھے... جن کی وجہ سے یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ

کہیں اقامتِ دین کی یہ منظم کوشش، جو ایک صدی کے تعطل کی بعد بمشکل شروع ہوئی [تھی]، شروع ہوتے ہی ختم نہ ہو جائے"" اور جن کی وجہ سے "تفرق واختلاف اور بد دلی اور بد گمانیوں کا زہر دور و نزدیک کے ارکان میں بالعموم پھیلنا شروع ہو گیا [تھا] سب جانتے ہیں کہ اس اختلاف، تفرق، بددلی اور بد گمانی کی بنیاد اس وقت کے امیر کی ذات تھی کہ جن سے اور جن کے کام سے چند نامور بانی ارکان مطمئن نہیں تھے، اور جن کو وہ جماعتِ اسلامی جیسی دینی تحریک کی امارت کے لیے غیر موزوں اور نا اہل سمجھتے تھے۔ اس اختلاف کے نتیجہ میں چند بانی ارکان، جماعت کو چھوڑ گئے، مگر سفر جاری رہا۔

ایک اور مثال قیامِ پاکستان کے واقعات کے بعد کی ہے، جب امیرِ جماعت نے اعلان کیا کہ "اب تیسرا مرحلہ شروع ہے ... (جو) توسیع و عملی اقدام کا ہے"۔ اب جماعت نے عملی سیاست میں حصہ لیا، انتخابات میں شرکت کی، امیدواری اور پارٹی ٹکٹ کا طریقہ اختیار کیا، سیکولر عناصر سے اتحاد کیے، جلوس نکالے، جھنڈے اٹھائے، مظاہرے کیے، ریزولیشن پاس کیے، استقبالیے دیے، تھیلیاں پیش کیں، گرم گرم تقریریں کیں اور تحریریں لکھیں، غلافِ کعبہ کا جلوس نکالا، تصویریں شائع ہوئیں۔ ان تبدیلیوں اور اقدامات سے بھی اختلاف ہوا، بے اطمینانی پیدا ہوئی، افتراق و انتشار کی شکل بنی، الزام بازی ہوئی —— اور پھر جائزہ کمیٹی بنی —— پھر ماچھی گوٹھ کا اجتماع ہوا۔ اس دور میں کن کن آرا، تاثرات، احساسات اور الزامات کا اظہار کیا گیا؟ چند نمونے دیکھیے: جماعت کی "ہیئت اور نوعیت ہی کو سرے سے بدل کر رکھ دیا"۔ پہلے اور دوسرے "ادوار کو ایک ہی تحریک کے دو مراحل کہنا ناممکن ہے"۔ "جو باتیں وہاں غلط ٹھہرائی گئی تھیں انھیں یہاں باقاعدہ اختیار کیا گیا"۔ جماعت اسلامی کو "ایک سیاسی جماعت کے نقشے پر ڈھال دیا"۔ "کارکن ایک سیاسی جماعت کے کارکن معلوم ہوتے ہیں"۔ سیرت و اخلاق و کردار کا سرمایہ "ختم ہونے پر آ رہا ہے"۔ "پورے ۹ سال تک دعوت کا کام حقیقتاً بند رہا"۔ "خرچ میں اب ... احتیاط اور ... احساسِ ذمہ داری بھی باقی نہیں رہا"۔ اس تبدیلی کی وجہ کیا ہے؟ "عجلت پسندی"۔ "غصہ میں آپ نے دستور و آئین اور حق وانصاف سب کو لپیٹ کر بالائے طاق رکھ دیا"۔ "شوریٰ کے متفقہ فیصلہ کے خلاف آپ کا یہ اقدام"۔ "شوریٰ کے ختم ہوتے ہی آپ نے ... شوریٰ کے فیصلہ کو الٹ دیا"۔ جماعتِ اسلامی کے امیر نے ایک آمرِ مطلق کی تلوار سنبھال لی۔ "وہ بالکل سیاسی طرز پر سوچنے اور اسی طور پر کام کے نقشے بنانے لگے۔ ان کے اقدار اور پیمانے بھی آہستہ آہستہ بدلنے لگے۔" اسی طرح استعفے اور بیانات اخباروں کی شہ سرخی بھی بنے، کالموں کا موضوع بھی۔

جماعت نے ان سارے الزامات کو رد کردیا۔ان کی زد یاں جماعت کی ذات پر تھی' لیکن ہم نے یہ سارے فقرے صرف اس لیے نقل کیے ہیں کہ ہم خیالی جنت سے نکل کر حقیقت کی دنیا میں قدم رکھیں' اور یہ پہچانیں کہ جب اختلاف پیدا ہو تو کیا کچھ سمجھنا' یقین کرنا اور کہنا ممکن ہو جاتا ہے۔ ان اختلافات نے جماعت کو جس صورتِ حال سے دو چار کیا' اس کا کچھ اندازہ اس وقت کے قائم مقام امیرِ جماعت' چودھری غلام محمدؒ کے جاری کردہ سرکلر نمبر ۱۱/۷۔ ۳ الف۔ ۷ /۲' مورخہ ۱۶ جنوری ۱۹۵۷ء سے کیا جاسکتا ہے:

ہماری جماعتی زندگی میں بعض ایسے واقعات نمودار ہوئے جن کے واقع ہونے کی توقع نہ ہم کو تھی اور نہ جماعت سے باہر کے لوگوں کو تھی۔ ان واقعات سے بعض جگہ جماعت کا داخلی استحکام بھی متاثر ہوا ہے اور باہر کے لوگوں کی نگاہوں میں بھی ان سے جماعت کا وقار مجروح ہوا ہے۔ جو لوگ ہم سے حسنِ ظن رکھتے تھے اور اس ملک کی اصلاح سے متعلق ہم سے امیدیں قائم کیے ہوئے تھے ان پر دل شکستگی اور مایوسی طاری ہوئی ہے' اور جن کو ہم سے مخالفت تھی ان کو خوش ہونے اور ہمارے خلاف بدگمانیاں پھیلانے کا کافی مواد چند ہفتوں میں ہاتھ آیا ہے۔

... جو کچھ پیش آیا ہے اس کا بہت تھوڑا حصہ ہے جس کے پیش آنے کے لیے فی الواقع کوئی وجہ موجود تھی۔ اس کا بڑا حصہ ایسا ہے جس کے پیش آنے کی کوئی ادنیٰ وجہ بھی موجود نہیں تھی۔ بلکہ چند لوگوں کی محض ناسمجھی' بے احتیاطی اور بدگمانی نے اس کے اسباب فراہم کردیے ہیں۔ بعض لوگوں نے شوریٰ کی کارروائیوں کے متعلق بالکل غلط اور بے بنیاد تاثرات دیے۔ بعض لوگوں نے قرار داد کے متن کی ایسی تاویل کرنے کی کوشش کی جو اس کی منشا کے خلاف تھی۔ بعضوں نے شوریٰ کے ارکان کی طرف غلط باتیں منسوب کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا... بعض مقامات پر ذمّہ داروں نے اپنے حقوق و اختیارات کے استعمال میں جلد بازی اور بے احتیاطی سے کام لیا۔ اس طرح بعض نے شدّتِ تاثر میں اپنے جذبات پبلک پر ظاہر کردیے۔ ان ساری باتوں نے مل ملا کر چند دنوں کے لیے جماعت کے مزاج کو اس طرح بگاڑ دیا کہ لوگوں کے ذہن ہر طرح کی باتیں قبول کرنے اور ہر طرح کی باتیں پھیلانے کے لیے بالکل بے قید ہوگئے اور شریعت اور اخلاق کے حدود کی بھی پروا بہت کم ہوگئی۔

اختلاف کا پیدا ہونا' اس کا افتراق و انتشار کی شکل اختیار کر لینا' فتنہ اور فساد بن جانا' کوئی

ضروری و ناگزیر حادثہ نہیں، لیکن یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ ایسا ہونا عین ممکن ہے۔ ایسا پہلے بھی ہوا ہے، اب بھی ہو سکتا ہے، آئندہ بھی ہو گا۔ فتنہ پیدا ہونا کیوں ممکن ہے، کیوں کر پیدا ہوتا ہے، کیوں کر پروان چڑھتا ہے، اور کس طرح اچھے اچھے لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے، اس کو سمجھنے کے لیے ہمیں محترم نعیم صدیقی کے چند الفاظ ہمیشہ اپنے سامنے رکھنا چاہئیں۔ واقعہ افک کا ذکر کرتے ہوئے وہ سوال اٹھاتے ہیں کہ یہ "طوفانِ عظیم آخر اسلامی تحریک کے پیدا کردہ صالح معاشرے اور تربیت یافتہ نظامِ جماعت میں اٹھ کیسے سکا؟"۔ پھر وہ یوں جواب دیتے ہیں:

... نظامِ مشیت جس نقشے پر گامزن ہے، اس میں شیطان کے لیے کام کرنے کے مواقع کسی نہ کسی حد تک ضرور باقی رہتے ہیں، خواہ کیسی ہی مثالی اسلامی سوسائٹی کیوں نہ ہو، درحقیقت انسانی فطرت میں ایسی کمزوریاں موجود ہیں کہ جن کے راستے فتنہ کا سیلاب در آتا ہے۔ نبیؐ کی پیدا کردہ جماعت کے بارے میں بھی یہ گارنٹی نہیں دی جا سکتی کہ اس کے دائرے میں فتنہ کو کام کرنے کا سرے سے موقع ہی نہیں ملے گا... ایک زندگی سے بھرپور اچھے معاشرے سے توقع یہی کی جا سکتی ہے کہ وہ مرض کی مدافعت کرتا ہی نہ دکھائی دے گا بلکہ حملہ آور جراثیم کو ہلاک کر کے باہر پھینک دے گا۔ مگر یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ اس میں کوئی مرض کبھی پیدا ہی نہیں ہو گا۔

شیطان کے لیے ایک معاشرہ میں سازگار ترین فضا نجویٰ کی فضا ہوتی ہے... نجویٰ کے اصطلاحی معنی یہ ہوتے ہیں کہ پوری جماعت کے سامنے کھلم کھلا اپنے خیالات، مشوروں، تنقیدوں، اعتراضوں کو پیش کرنے کے بجائے متفرق افراد علیحدگی میں بیٹھ کر کھچڑی پکائیں۔ (محسنِ انسانیت، ص ۲۷۹۔ ۲۸۰)

پھر وہ مزید کہتے ہیں:

ایک دینی و اخلاقی نظامِ جماعت میں تو جو عنصر اس کے نظام اور قیادت کے خلاف تحقیر کا طوفان اٹھاتا ہے اور سرگوشیوں کی مہم چلاتا ہے، وہ درحقیقت سرے سے اس کی حرکت، اس کے اقدام اور اس کی فعالیت کی تباہی کا سامان کرتا ہے...

دنیا بھر کی تحریکوں کو جب کوئی بڑا موڑ پیش آتا ہے اور وہ جست لگا کر ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے میں داخل ہوتی ہیں، تو اس تغیر کا فہم نہ رکھنے والا ضرور ناکارہ ہو جاتا ہے —— ایسے ہی تاریخی مواقع پر بسا اوقات اچھے خاصے متحرک افراد ذہنی الجھنوں میں پڑ کر بددلی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ (ایضاً" ص ۲۸۴)

ایک دینی تحریک کے اخلاقی نظامِ جماعت کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

اخلاقی نظامِ جماعت کی ایک خاص پیچیدگی یہ ہے کہ اس میں صریح قابلِ گرفت واقعات جب تک ثابت شدہ حقائق کی شکل اختیار کرکے سامنے نہ آجائیں، ان پر نہ جماعت گرفت کرسکتی ہے، نہ خرابی محسوس کرنے والے افراد حالات کے دھندلے پس منظر کو آخری نتائج نکلنے سے قبل بر سرِ عام لاسکتے ہیں۔ اسلام کا اخلاقی نظامِ جماعت اپنے افراد کو ایک دوسرے کے خلاف سوئے ظن سے روکتا ہے اور ایک مخلص آدمی آخری حد تک مجبور ہوتا ہے کہ اپنے ساتھیوں کے مشتبہ طرزِ عمل کے ہر جزو کی بہتر سے بہتر تاویل کرتا رہے۔ ..

محض تاثرات ---- چاہے وہ اس کی اپنی نگاہ میں کتنے ہی وقیع کیوں نہ ہوں ---- اس قابل نہیں ہوتے کہ ان کو ایک مقدمے کے طور پر باقاعدہ جماعت کے سامنے لاکر نظم کو متحرک کیا جائے ...

دوسری پیچیدگی اخلاقی جماعت کی یہ ہوتی ہے کہ اگر ان کے سربراہِ کار کی شخصیت اور اس کے دوسرے اہلِ حل و عقد اور اربابِ امر کی ذوات کو کوئی لپیٹ میں لے لے تو ان کی پوزیشن بڑی نازک ہو جاتی ہے ... اگر وہ اربابِ فتنہ کا پول پوری جماعت کے سامنے کھلنے سے پہلے ان کے خلاف کارروائی کریں تو ان پر الزام آتا ہے کہ تنقید اور اختلاف کو دباتے ہیں اور آوازۂ حق بلند کرنے والوں کو آمرانہ طریقوں سے شکست دیتے ہیں ...

اس پیچیدگی کا ایک ہی حل ہے اور وہ یہ کہ جماعت اپنے مجموعی ذہن کے لحاظ سے اتنی بیدار اور اپنے کردار کے لحاظ سے اتنی مضبوط ہو کہ وہ اپنے مزاج کے خلاف کسی چیز کو اپنے اندر چلنے نہ دے۔ اس کے دائرے میں کوئی گوش ہوش جماعتی نظم کے خلاف سرگوشیاں سننے کے لیے تیار نہ ہو۔ اور کوئی زبان کان میں پڑی ہوئی ہر بات کو اِدھر اُدھر پھیلانے کی جرأت نہ کرے۔ مگر اس انتہائی معیار تک عملاً جماعت کی جماعت کا پہنچنا اور ہر آن اس پر قائم رہنا مشکل ہے۔ گھٹیا باتیں سوچنے والے دماغوں، ان کو پھیلانے والی زبانوں اور ان کو سننے والے کانوں سے کوئی انسانی معاشرہ بالکل ہی پاک نہیں ہوسکتا۔ (ایضاً" ص ۲۷۸۔ ۲۸۸)

واقعہ افک پر قرآن کے کلام اور اس کے مختلف پہلوؤں پر تبصرہ کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

بتایا جا رہا ہے کہ تمھارے جماعتی ماحول میں یہ کمزوری موجود ہے کہ اس کے معمار ہی اس کی تباہی کی مہم چلا دیں۔ اس فضا میں ایسے رخنے موجود ہیں کہ علمبردارانِ صداقت کی سوسائٹی میں جھوٹ برگ و بار لائے ...

یہ کسی بھی معاشرے اور کسی بھی نظامِ جماعت کی ـــــ خصوصاً" جب وہ دنیا بھر کی اخلاقی اصلاح کے لیے قائم ہوا ہو اور اس کے زیرِ اثر ایک تمدنی و سیاسی تحریک چل رہی ہو ـــــ بڑی بھاری کمزوری ہے کہ اس میں بے سروپا اور بے ہودہ اور غیر ذمہ دارانہ باتوں کا آسانی سے چلن ہو سکے۔ کان جو کچھ سنیں' اٹھا کر دل میں رکھ لیں اور دل زبانوں کے حوالے کردیں اور زبانیں آگے منتقل کرتی چلی جائیں۔ کوئی غور و تامل نہ ہو۔ کوئی تحقیق نہ ہو۔ کوئی ردّ و کد نہ ہو اور کسی جگہ جا کر سلسلہ رکے نہیں۔ جو جس شخص کے خلاف جیسے کلمات بھی کہنا جائے' بالکل چھوٹ ہو' جو جس کی پگڑی اچھالنا چاہے اسے پوری آزادی ہو اور جو جس کے دامن عفت کی دھجیاں بکھیرنا چاہے ماحول اسے وسیع موقع بہم پہنچا دے۔ اچھا چمن افکار و کردار ہوگا جس میں فتنہ کا مالی کانٹے بوتا رہے اور زبانوں کی کیاریاں کانٹے اگاتی رہیں۔ (ایضاً" ۲۹۶ ـ ۲۹۹)

ایک بڑے اہم پہلو کی طرف وہ یوں توجہ دلاتے ہیں :

اس بحران میں ان [حسان بن ثابتؓ] کا ـــــ اچھی جگہ مخلصانہ' مگر تحریک کے لیے نہایت مضر ـــــ پارٹ دیکھ کر آدمی یہ درسِ عبرت حاصل کرتا ہے کہ نہ کوئی بہتر سے بہتر شخص اپنے بارے میں یہ ضمانت رکھتا ہے کہ وہ مغالطے کے کسی چکر میں نہ پڑے گا اور نہ دوسری نمایاں ترین شخصیتوں کے بارے میں وہ بے فکر ہو سکتا ہے کہ وہ کسی فتنے کے گھیرے میں نہ آئیں گی۔ ہر انسان' بڑا ہو یا چھوٹا ہر وقت شیطان کی کمان سے نکلنے والے تیروں کی زد میں ہے۔ بلکہ فتنے ہر اہم اور بڑے آدمی کے گرد گھیرا ڈالنے کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کرتے ہیں . . .

. . . یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ تحریک کے لیے عبداللہ بن ابی کا نفاق اتنا خطرناک اور مضر نہ تھا' جتنا حسان بن ثابتؓ کا اخلاص ! جو اقدام اخلاص اور نیک نیتی سے کیے جاتے ہیں وہ ضرر رسانی میں زیادہ کامیاب رہتے ہیں' بمقابلہ ان اقدامات کے جو دانستہ شرارت کے طور پر کیے جاتے ہیں۔

حسان بن ثابتؓ اس بات کا احساس نہ کرسکے کہ وہ کن لوگوں کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں' وہ کیسے افراد کا نقطہ نظر پھیلا رہے ہیں اور ان کے حرکات و سکنات معاشرے میں کس عنصر کی حمایت میں جا رہی ہیں . . .

عبداللہ بن ابی کے ساتھ اسلامی معاشرے کا معاملہ دوری اور بیگانگی کا تھا۔ اس کی کلوخ

اندازی قابلِ برداشت تھی' لیکن حسان بن ثابتؓ سے جماعت کی جو یگانگت تھی' اس کی وجہ سے جذبات میں کھولاؤ پیدا ہوتا تھا کہ ہمارے نیام کی ایک تلوار ہمارے ہی خلاف استعمال ہو رہی ہے' یہ صورت جب کسی تحریک اور تنظیم میں پیدا ہوتی ہے تو صبر کے پیمانے لبریز ہوجاتے ہیں (ایضاً"' ص ۲۹۹۔ ۳۰۰)

اقتباسات طویل ہوگئے ہیں' لیکن اس سے زیادہ روشن اور پُر اثر رہنمائی اور کہاں سے مل سکتی تھی۔

ایک انسانی گروہ میں اختلاف کا پایا جانا فطری ہے' اس کا فتنہ بن جانا ممکن۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک اور اہم اصولی حقیقت یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ جماعتِ اسلامی ایک انسانی جماعت ہے' انسانوں پر مشتمل ہے۔ اس کے امراء بھی انسان ہیں اور مامورین بھی۔ انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے۔ عجلت پسندی اس کے خمیر میں ہے' نسیان و غفلت اور ضعفِ ارادہ اس کی ساخت میں مضمر ہیں۔ یہ تمام چیزیں اس امتحان کے لیے ناگزیر ہیں جس امتحان کے لیے اسے کرہ ارض پر خلیفہ بنایا گیا ہے اور عمل میں اختیار اور آزادی دی گئی ہے' تاکہ وہ اپنے کارنامۂ حیات کے لیے مسئول ہوسکے' اور جنت کا مستحق بن سکے۔ اختیار کی آزادی مستلزم ہے اس امر کی کہ وہ ظالم و جاہل بن سکتا ہے' فساد مچا سکتا ہے' دوسروں کے خون' (مال' اور عزت) پر بلا استحقاق اور بلا جواز ہاتھ ڈال سکتا ہے۔ اس کو لغزش' خطا اور گناہ کی طرف دعوت دینے والی قوتیں اس کے آگے پیچھے' دائیں بائیں' گھات میں لگی ہوئی ہیں' یہاں تک کہ انبیاء کی گھات میں بھی۔ کوئی انسان جو جماعتِ اسلامی میں شامل ہو جائے' اس کے تربیتی نظام سے گزر جائے' اس میں ایک عمر گزار دے' اس کے اعلیٰ ترین مناصب پر فائز ہوجائے' وہ مقامِ انسان کی ان کمزوریوں اور امتحان سے مامون و مصئون نہیں ہوسکتا' نہ اس بات کی ضمانت دی جاسکتی ہے کہ وہ اس دشمن کے کید کا شکار نہ ہوگا' جو ہر طرف سے اس پر حملہ آور ہے' اور خون کی طرح اس کی رگوں میں گردش کر رہا ہے' یا وہ غلطی نہیں کرے گا' اور اس سے گناہ سرزد نہیں ہوگا' (کہ مقامِ عصمت صرف انبیاء کے لیے ہے)' اور اگر ہو جائے تو اس بات کا کوئی جواز نہیں کہ اس کے لیے جماعت ذمّہ دار ہو' مسئول ہو' اور مطعون کی جائے۔ اِلّا یہ کہ وہ اپنے تعلیم و تذکیر کے فریضہ سے غافل ہو' اور امر بالمعروف' نہی عن المنکر اور اصلاحِ احوال کے فریضہ کی تارک' یا وہ منکر کو معروف قرار دینے لگ جائے۔

چنانچہ کل کے اختلافات ہوں یا آج کے' یہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ ایک عام کارکن بھی

غلطیاں کرسکتا ہے، امیرِ جماعت بھی، اور شوریٰ بھی ---- اور کی ہوں گی۔ امیرِ جماعت بھی غلط فیصلے کرسکتا ہے، پوری شوریٰ بھی، اور جماعت بھی ---- اور کیے بھی ہوں گے۔ یہ غلطیاں تدابیر کے باب میں بھی ہوسکتی ہیں، اور احکامِ الٰہی کے بارے میں بھی، فہم و استنباط کی بھی ہوسکتی ہیں اور عمل کی بھی۔ اس اہم حقیقت کا ادراک ہی اختلاف کو افتراق و انتشار میں تبدیل ہونے سے روک سکتا ہے۔ اس بات سے اس سے زیادہ کون واقف ہوسکتا تھا جس نے "تجدید و احیائے دین" اور "خلافت و ملوکیت" جیسی کتب تحریر کیں۔ اسی لیے اس نے روزِ اوّل سے خود کو بھی احتساب کے لیے پیش کیا، اور جماعت میں بھی احتساب کا نظام قائم کرنے اور رکھنے کا انتظام کیا۔ اسی لیے تاسیسِ جماعت کے وقت سے ہی، سیّد مودودیؒ نے اس بات کا اہتمام بھی کیا کہ جماعتی زندگی کے آداب و احکام کا التزام کیا جائے، اور ایسے دستور، قواعد اور روایات پر کاربند رہا جائے جن کے ذریعہ فتنہ کی راہیں مسدود ہوسکیں۔

اللہ اور اس کے رسولؐ نے باہمی تعلقات، جماعت کے ساتھ تعلق، اور امیر اور مامورین کے درمیان تعلق کے باب میں جو احکام دیے ہیں، جن امور کو حرام کہا ہے، اور جن امور کے التزام کی ہدایت کی ہے، ان سے سب ہی واقف ہیں۔ اگرچہ عام حالات میں بھی ان پر عمل کم ہی ہوتا ہے، مگر جب اختلاف اور فتنہ کی فضا پیدا ہوجائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کو بالکل ہی فراموش کردیا جاتا ہے۔ حالانکہ "افرادِ جماعت سے کینہ، بغض، حسد، بدگمانی اور ایذا رسانی وہ بد ترین جرائم ہیں جن کو اللہ اور اس کے رسولؐ نے ایمان کے منافی قرار دیا ہے"، اور "اسی طرح غیبت اور تنابز بالالقاب اور بدظنی بھی جماعتی زندگی کے لیے سخت مہلک بیماریاں ہیں۔"

فتنہ کے بڑے بڑے اسباب یہ چند ہی ہیں۔ نیت کے بارے میں سوئے ظن قائم کرنا (حالانکہ دلوں کے بھید صرف علّام الغیوب جانتا ہے)۔ اقوال و اعمال کی بُری سے بُری تاویل کرنا۔ اپنے سوئے ظن یا سنی سنائی باتوں کو بلا تحقیق یقین کا درجہ دینا، صرف یقین کا درجہ ہی نہ دینا بلکہ ان کو بلا تکلف نقل کرتے پھرنا، حالانکہ آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ سنی سنائی باتیں بلا تحقیق نقل کرتا پھرے، پھر اس مہم میں اشاروں اور کنایوں اور کھلے الفاظ سے غیبت، تمسخر، عیوب کی پردہ دری، تحقیر، چغلی جیسے گھناؤنے حرام کاموں میں ملوث ہونا، یہ عیوب ایک صالح نظامِ جماعت میں بھی کتنے عام ہوسکتے ہیں، اس کا نظارہ آج بھی چشمِ سر سے کیا جاسکتا ہے، اور چودھری غلام محمد صاحب مرحوم کے اس سرکلر میں بھی دیکھا جاسکتا ہے جس کا کچھ حصہ اوپر

نقل کیا جاچکا ہے۔

"جماعت بغیر امارت کے نہیں ہے" اور "باہمی مشاورت جماعتی زندگی کی جان ہے" ——— یہ دو اصول جماعت کی بنیاد ہیں' لیکن امارت اور مشاورت کے درمیان صحیح تعلق اور توازن ہر جماعتی زندگی کا اہم اور نازک مسئلہ رہا ہے' اور ہے' اور اس باب میں آویزش اور عدم توازن اختلاف کو فساد اور فتنہ میں بدل دینے کا بہت بڑا سبب۔ امیر آمر بھی بن سکتا ہے' اور شوریٰ امیر کو بے دست و پا بھی کر سکتی ہے۔ کوئی دستوری و قانونی ضوابط اس مسئلہ کو حتمی طور پر حل نہیں کر سکتے۔

ایک طرف یہ بات بھی صحیح ہے جیسا سیّد مودودیؒ نے فرمایا کہ: "تحریکیں اس طرح نہیں چلا کرتیں کہ جماعت فیصلے کر کے لیڈر کے حوالے کر دے' اور لیڈر صاحب اپنے سیکرٹریٹ اور انتظامی عملہ کے ذریعے سے ان کو نافذ کر دیا کریں... کوئی کمانڈر دیے ہوئے نقشوں پر نہیں لڑ سکتا... وہ ہر وقت کونسلیں بلا کر اور ان سے پوچھ پوچھ کر کام نہیں کر سکتا... آپ کو جب تک پورا اعتماد نہ ہو اسٹیرنگ وہیل کسی کے ہاتھ میں نہ دیجیے' مگر جب آپ اسے کسی کے حوالے کر دیں تو پھر پورے اعتماد کے ساتھ ایسا کریں۔ بندھے ہوئے ہاتھوں سے کوئی شخص ایک معمولی گاڑی تک نہیں چلا سکتا' ایک تحریک کیسے چلا سکتا ہے"۔ اور ان کی یہ بات بھی صحیح ہے کہ "کوئی تحریک اس کے بغیر نہیں چل سکتی کہ اس کو ایک شخصیت لے کر چلے... جس کو بھی کسی مقصدِ عزیز کے لیے کوئی تحریک چلانی ہو' اسے دل کی آمادگی کے ساتھ' یا سینہ پر پتھر رکھ کر' ایک شخصیت گوارا کرنا پڑے گی' بلکہ خود بنانا اور دوسروں سے بنوانا پڑے گی۔"

دوسری طرف یہ بات بھی بالکل صحیح ہے' جیسا کہ محترم نعیم صدیقی نے لکھا ہے کہ: "جماعت کے اصل تشخص کو برباد کر کے آمریت کی راہ پر چلنے کے لیے مجھے یا آپ کو کون سی چیزیں روک سکتی ہیں۔ دورِ خلافتِ راشدہ کو سامنے رکھیے۔ آخری دور میں ایک طرف حضرت علیؓ خلیفہ راشد ہیں۔ دوسری طرف امیر معاویہؓ ڈٹے ہوئے ہیں۔ قرآن موجود' حدیث موجود' عملی روایات موجود' صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی تعداد موجود' مگر فتنہ حل نہ ہو سکا"۔

اسی لیے سیّد مودودیؒ نے جب جماعت کی سب سے بڑی خیر خواہی کے فرض کے لیے پکارا تو یہ آواز بھی بلند کی کہ اس میں کسی کا استبداد نہ چلنے دیا جائے' اس میں کسی دنیوی غرض یا کسی شخصیت کو بت نہ بننے دیا جائے' اور اس کے دستور کو بگڑنے سے بچایا جائے۔

ساتھ ہی اس مقصد کے لیے انہوں نے تاکید کی کہ: "جس شخص کے سپرد کسی جماعتی کام

کی ذمّہ داری' ہو اس کے لیے لازم ہے کہ اپنے کاموں میں دوسرے رفقاء سے مشورہ لے" اور یہ کہ "یہ اس کا فرض ہے کہ جو قدم بھی اٹھائے' پوری جماعت کو اس پر مطمئن کرے' کیوں کہ جماعت ہی کا اطمینان تو وہ اصل طاقت ہے' جس کے بل پر وہ تحریک کو چلا سکتا ہے"۔

مگر مشاورت کوئی یک طرفہ عمل یا ذمّہ داری نہیں جو صرف امراء پر عائد ہوتی ہو۔ اصحابِ مشورہ پر بھی برابر کی ذمّہ داریاں عائد ہوتی ہیں' اور اگر وہ یہ ذمّہ داریاں کما حقہٗ ادا نہ کریں تو ان کا یہ عمل ایک صالح نظام میں فساد پیدا کر سکتا ہے۔ ان ذمّہ داریوں کو بھی سیّد مودودیؒ نے واضح کر دیا ہے:

جس شخص سے مشورہ لیا جائے اس کا فرض ہے کہ نیک نیتی کے ساتھ اپنی حقیقی رائے کا صاف صاف اظہار کرے۔

جو شخص اجتماعی مشاورت میں اپنی صوابدید کے مطابق رائے دینے سے پرہیز کرتا ہے وہ جماعت پر ظلم کرتا ہے' اور

جو کسی مصلحت سے اپنی صوابدید کے خلاف رائے دیتا ہے وہ جماعت کے ساتھ غدر کرتا ہے' اور

جو مشاورت کے موقع پر اپنی رائے چھپاتا ہے اور بعد میں جب اس کی منشا کے خلاف کوئی بات طے ہو جاتی ہے تو جماعت میں بد دلی پھیلانے کی کوشش کرتا ہے وہ بدترین خیانت کا مجرم ہے۔

کسی شخص کو اپنی رائے پر اتنا مصر نہ ہونا چاہیے کہ یا تو اس کی بات مانی جائے ورنہ جماعت سے تعاون نہ کرے گا یا اجماع کے خلاف عمل کرے گا۔ [اس طرح] آخر کار پورا نظام جماعت درہم برہم ہو جائے گا۔

ان مختلف' اور بظاہر متضاد تقاضوں اور اصولوں کے درمیان: "صحیح توازن ہی پر ہماری کامیابی کا انحصار ہے"۔ ان سب کو ملحوظ رکھنے اور ان سب کے درمیان توازن رکھنے کی جو کوشش انسان کے بس میں ہے اسی نے جماعت' دستور' قواعد' اور روایات کی شکل اختیار کی ہے۔ اس لیے ہر رکن' ہر رکنِ شوریٰ اور ہر امیر' اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت و وفاداری کے بعد' اور اس کے تحت' جماعت کے دستور کی پابندی اور وفاداری کا عہد کرتا ہے۔

جماعت کو راہِ راست سے نہ ہٹنے دینے' اس کے رخ اور پٹڑی کو بدلنے سے روکنے' جماعت میں غلط مقاصد اور غلط خیالات اور غلط طریقوں کو پھیلنے سے روکنے' اور دستور کی پابندی

کرانے کے لیے، اگرچہ جماعت کا ہر رکن ذمّہ دار ہے، لیکن خاص طور پر ہر رکنِ شوریٰ بلا مداہنت اپنی حقیقی رائے کے صاف صاف اظہار، اور جہاں کہیں خرابی محسوس کرے، اسے دور کرنے کی پوری کوشش کرنے کے عہد کا پابند کیا گیا ہے۔ اگر کوئی امیرِ جماعت، جماعت کو راہ راست سے ہٹانے، یا اس میں غلط طریقوں کو رائج کرنے یا دستور کی خلاف ورزیاں کرنے کے جرائم کا ارتکاب کرے تو یہ ذمّہ داری پھر ارکانِ شوریٰ پر عائد ہوتی ہے کہ وہ بلا مداہنت اس کے خلاف عدمِ اعتماد کی تحریک مجلس کے اجلاس میں پیش کریں، اور مجلسِ شوریٰ کو اس بات کا پورا اختیار ہے کہ وہ اگر ان الزامات کو صحیح پائے، تو اسے معزول کر دے۔

ساتھ ہی ارکان اور ارکانِ شوریٰ کا فرض یہ بھی ہے کہ وہ نہ صرف ان اخلاقی ہدایات کی پابندی کریں، جو مئوسس جماعت سیّد مودودیؒ نے آغاز ہی میں دے دی تھیں، بلکہ اپنی رائے کے صاف صاف اظہار اور خرابیوں کی اصلاح کی کوششوں کے لیے وہی طریقے، مجالس اور پلیٹ فارم استعمال کریں جو دستور نے طے کر دیے ہیں۔ پریس اور پبلک پلیٹ فارم کو ذریعہ بنا کر، یا فرداً فرداً ارکانِ جماعت میں نجویٰ کر کے دستور کی خلاف ورزی نہ کریں۔ پھر جو فیصلے جماعت میں کثرتِ رائے سے ہو جائیں، ان کی بات مانی جائے یا نہ مانی جائے، ان کو تسلیم کر لیں۔ ایک خرابی یا غلطی کے ازالہ کے لیے دوسری غلطی کرنے سے، غلطی کا ازالہ نہیں ہوتا بلکہ غلطی دگنی ہو جاتی ہے، اور خرابی اور فتنہ میں اضافہ ہوتا ہے۔ دستور کی خلاف ورزی کا ازالہ کرنے کے لیے دستور ہی کی خلاف ورزی کرنے سے دستور کے بگاڑ میں اضافہ ہوگا، کمی نہیں۔ اگر جماعت کی منتخب مجلسِ شوریٰ، اللہ رب العالمین کو گواہ کر کے عہد کرنے کے باوجود، خرابیوں کا ازالہ کرنے، اور دستور کی خلاف ورزیاں روکنے یا ان کے خلاف اقدام کرنے سے قاصر رہتی ہے، تو پھر یہ ایک المیہ سے کم نہیں۔ اگر یہ ان کی اپنے فرض سے روگردانی کی وجہ سے ہے، تو اصلاح کی شاید کوئی دوسری صورت ممکن نہیں، اور اگر یہ اس لیے ہے کہ دستور میں تجویز کردہ انتظامات اب اصلاح کے لیے ناکافی ثابت ہو رہے ہیں، اور اس لیے مصلحین کو غیر دستوری ذرائع کا رخ کرنا پڑ رہا ہے، تو انہیں، اور خود جماعت کو اپنے نظام و دستور پر نظرِ ثانی کرنے کے بارے میں سوچنا چاہیے۔

اس طرح جہاں ہر امیرِ جماعت کے اختیارات میں یہ شامل ہے کہ وہ تحریک کے لیے ضروری بیانات دے اور اقدامات کرے، وہاں اس کا یہ فرض بھی ہے کہ وہ جماعت کو ان پر مطمئن کرے۔ اگر بے اطمینانی پھوٹ کر باہر نکل رہی ہے اور فتنہ سر اٹھا رہا ہے تو، اگرچہ یہ نظم و

اخلاق کی کوتاہی کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے' اور اس پر اس کو نصیحت و تادیب کا پورا حق ہے' اس کے لیے یہ غور کرنا بھی ضروری ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے اسے کیا اقدامات کرنا ضروری ہیں' اور وہ یہ اقدامات کرے۔ اسے فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ (اپنے رب کی حمد کرو اور اپنے گناہوں پر استغفار کرو)' وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ (اور اپنی نگاہوں کو ان سے نہ ہٹاؤ)' فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ (ان کو معاف کردو' ان کے لیے استغفار کرو' اور معاملات میں ان سے مشورہ کرو)' بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (مومنین کے لیے رؤف و رحیم!) جیسی آیات میں بیان کردہ اسوہ کے مطابق خود کو ڈھالنے کی کوشش میں لگا رہنا چاہیے۔

اختلاف سے تو کسی انسانی گروہ یا جماعت کو مفر نہیں۔ لیکن فتنہ اور فساد سے بچنا ممکن ہے' اور ضروری بھی۔ اختلاف اگر خالصتاً للہ ہو' نیک نیتی سے ہو' صحیح حدود میں ہو' اس میں مطلوبہ آداب کی پابندی کی جائے' وسعتِ ظرف اور رواداری کے ساتھ ہو' سبّ و شتم اور کبر و تحقیر سے پاک ہو' تواضع اور جذبۂ تعلیم و تعلم اور کسرو انکسار کے ساتھ ہو' اصرار و عناد سے خالی ہو' تو وہ جماعت کی تقویت اور وسعت و استحکام کے لیے ناگزیر ہے۔ جب احکام و حدودِ الٰہی کی خلاف ورزی ہونے لگتی ہے تو اختلاف' تنازع بن جاتا ہے۔ تنازع سے فتنہ اور ضعف پیدا ہوتے ہیں' اور ہوا اکھڑنے لگتی ہے۔ لیکن فتنہ بن جانے کے بعد بھی اگر بر وقت انتباہ ہو' تذکیر ہو' تعلیم ہو' خود احتسابی اور استغفار ہو' اصلاح و درستگی ہو' تو فتنہ سے خیر پیدا ہو سکتا ہے' اور فتنہ کی بھٹی سے جماعت زیادہ طاقتور بن کر نکل سکتی ہے۔ جیسا کہ واقعہ افک کے موقع پر فرمایا گیا کہ "اس واقعے کو اپنے حق میں شر نہ سمجھو' بلکہ یہ بھی تمہارے لیے خیر ہی ہے" (النور: ۱۱)۔ "واقعہ یہ ہے کہ اصولی و انقلابی تحریکوں کے لیے ذہنی شکست و ریخت کے ہنگامے خواہ باہر سے اٹھیں' خواہ اندر سے ـــــ انجام کار کے لحاظ سے مزید فلاح و ترقی' تعمیر و اصلاح اور قوت و سطوت کا باعث بن کر رہتے ہیں" (محسنِ انسانیت: ص ۳۰۴)

صرف چند ہی باتیں ہیں ـــــ ان پر پابندی سے عمل کرنا ایسا دشوار بھی نہیں ـــــ اگر ہم یہ عزم و عہد کرلیں کہ آج کل کے دوران بھی' اور آئندہ کے لیے بھی' ان کی مکمل پابندی کریں گے' اور سرِمو ان کی خلاف ورزی نہ کریں گے' تو نہ صرف وہ بادل چھٹ جائیں گے جو اس وقت چھائے ہوئے نظر آتے ہیں' بلکہ ہماری جماعتی زندگی کے وہ بے شمار روگ بھی دور ہو جائیں گے

جن کا ہم کو شدت سے احساس ہے' لیکن جن کے لیے ہم کچھ نہیں کر پا رہے ہیں'

۱۔ اپنی کسی بھی رائے کو کبھی بھی حرف آخر نہیں سمجھیں گے' اور اس کے غلط ہونے کے امکان کو بھی اسی طرح تسلیم کریں گے جس طرح اس کے صحیح ہونے کے یقین کو۔

ایسا حرفِ آخر' جس کے غلط ہونے کا کوئی امکان نہ ہو' صرف لفظِ الٰہی ہی ہو سکتا ہے' لفظِ الٰہی کی کوئی انسانی فہم و استنباط بھی نہیں۔ اس اصول پر عمل ہو تو اپنی رائے کے مانے جانے پر اصرار' اور نہ مانے جانے کی صورت میں غلط راہوں کی طرف فرار ختم ہو جائیں گے۔ انکسار' تواضع' حلم اور رواداری جنم لیں گے۔

۲۔ کسی کی بھی نیت' قول اور فعل کے بارے میں بلا ثبوت کوئی سوئے ظن قائم نہیں کریں گے۔

دوسروں کے بارے میں دلوں میں پلنے والی' زبانوں پر آنے والی' تکدر و کینہ پیدا کرنے والی بیشتر خراب خیالات و آرا کی جڑ اسی ایک اصول سے کٹ جائے گی۔

۳۔ کسی کے بارے میں بھی کوئی بری بات جو کان سنیں گے' اسے اٹھا کر بلا تحقیق و ثبوت ہرگز دل میں نہیں رکھیں گے' اور زبان و قلم کے حوالے تو ہرگز بھی نہیں کریں گے' نہ آگے نقل کرتے چلے جائیں گے۔

بلا تحقیق کسی کے خلاف کچھ کہنا ایک گناہ ہے جس سے فساد رونما ہوتا ہے۔ اس ایک اصول کی پابندی اسی فساد ذات البین کی جڑ کاٹ دے گی جو سارے دین کو مونڈ دیتا ہے۔

۴۔ جو بات منہ سے نکلے گی' زبان سے ہو یا قلم سے' قول لین (نرم بات) ہو گی' دوست کے لیے ہو یا دشمن کے لیے۔

لینتِ قلب (دل کی نرمی) تو انسان کے اختیار میں نہیں' قول میں عدل کی پرکھ بھی ہر کسی کے بس کی بات نہیں' لیکن قول لین ہمارے اختیار میں بھی ہے' اور اس کی پرکھ بھی آسان ہے۔ جو ایسی بات نہ کہہ سکتا ہو کہ خیر ہو' اور خیر کا باعث' وہ پھر خاموش رہے۔

۵۔ کسی کا بھی ذکر اس کی غیر حاضری میں کسی بھی مجلس میں' بلا جواز یا

بلا امکانِ اصلاح' اس طرح نہیں کریں گے کہ وہ سنے تو اس کو برا لگے۔

غیبت' سود اور زنا سے زیادہ گھناؤنا گناہ ہے۔ مسلمان بھائی کے مردار گوشت کی لذت ہی سے نجویٰ کی محفلیں سجائی جاتی ہیں' اور مقبول ہوتی ہیں۔

۶۔ اختلاف کرسکتے ہیں' لیکن تنازع سے مکمل اجتناب کریں گے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے "وَلَا تَنَازَعُوْا" کہہ کر حرام کردیا ہے۔

تنازع سے بچنے کا کوئی گر اس کے علاوہ نہیں کہ ہم خلاف طبع و رائے باتوں پر صبر کرنے اور نظر انداز کرنے کے عادی ہوں' اور اپنی بات منوانے اور چلانے کی فکر میں نہ پڑیں کہ اس کو قبول نہ کیا جائے تو لڑ بیٹھیں۔ دوسرے کی بات مان لینا اگر عقل و دیانت کے خلاف ہو' تو کم از کم نزاع سے بچنے کے لیے سکوت اختیار کرلینا تو بہرحال اختیار میں ہے۔

۷۔ ان میں سے جس اصول کی خلاف ورزی جب بھی ہو' اس پر استغفار۔

اختتام میں یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ سارے دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں کے درمیان ہیں' وہ ان کو جس طرح چاہے الٹ پلٹ سکتا ہے۔ مختلف انسانوں کو جوڑ کر ایک قوی جماعت بنانا' اور بنائے رکھنا' کس درجہ کا کام ہے۔ اس کا اندازہ ان آیات سے ہوسکتا ہے'

هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (الانفال ۸ : ۶۲' ۶۳)

وہی تو ہے جس نے اپنی مدد سے' اور مومنوں کے ذریعہ سے' تمھاری تائید کی' اور مومنوں کے دل ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیے۔ تم روئے زمین کی ساری دولت بھی خرچ کر ڈالتے تو ان لوگوں کے دل نہ جوڑ سکتے تھے' مگر وہ اللہ ہے جس نے ان لوگوں کے دل جوڑے' یقیناً" وہ بڑا زبردست اور دانا ہے۔

اقول قولی ھذا و افوض امری الی اللّٰہ۔ ان اللّٰہ بصیر بالعباد

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ و ارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ

اللھم الف بین قلوبنا واصلح ذات بیننا واھدنا سبل السلام